جلد 12 | شمارہ 26 | 14 رجمادی الاول 1443ھ مطابق 24.1.22 بروز پیر | صفحات 4 | قیمت: 2 | PostalRegd.NO.UA/DO/DDN/704/2020-2022 | R.N.I.NO.UTTURD/2010/35667

پیغام قرآن

171. وہ اللہ کی (تجلیّاتِ قُرب کی) نعمت اور (لذّاتِ وصال کے) فضل سے مسرور رہتے ہیں اور اس پر (بھی) کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ (آل عمران)

پیغام حدیث

خاتمُ المُرسَلین، رَحمَۃٌ للّعٰلمین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ''مجھے اپنے بعد تم پر ہر اس منافق کا خوف ہے جو (گُھما پھرا کر) گفتگو کرنے کا ماہر ہو۔

(المعجم الکبیر، الحدیث: ۵۹۳، ج۱۸، ص ۲۳۷)

اتر پردیش میں بی جے پی کو کیسے ہرایا جا سکتا ہے!...

از۔ ظفر آغا

یوپی میں بی جے پی کو ہرانے کے امکان پیدا ہو گئے ہیں لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب پسماندہ و دلت ذاتیں اور مسلمان یکجا ہو کر ووٹنگ کریں اور اس اتحاد کو لبرل و سیکولر اعلیٰ ذاتوں کی بھی حمایت حاصل ہو۔

مجھ سے اکثر اردو قارئین ان دنوں یہ سوال کرتے ہیں کہ اتر پردیش میں مسلم ووٹر کیا کریں! میرا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ محض مسلم ووٹر کا نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ ہر اس ووٹر کا ہے جو نریندر مودی مخالف ہے۔ ہر اس ہندوستانی شہری کو یہ طے کرنا ہے کہ کس طرح اس ملک کی جمہوریت اور سیکولرزم کو بچایا جائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اتر پردیش چناؤ نے ایک کروٹ لی ہے اور وہاں بی جے پی میں جو بغاوت پھوٹی ہے اس نے یہ گنجائش پیدا کر دی ہے کہ اسمبلی چناؤ میں بی جے پی کو ہرایا جا سکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کو کس طرح ممکن بنایا جائے۔ اس مسئلہ کا سیدھا سا حل خود اتر پردیش کے سنہ 1993 کے اسمبلی چناؤ کے نتائج میں پنہاں ہے۔ سنہ 1993 میں کیا ہوا تھا! آپ کو یاد ہوگا کہ سنہ 1992 میں ایودھیا میں بابری مسجد گرائی گئی تھی۔ اتر پردیش ہی نہیں، تقریباً سارے ہندوستان میں ہی مسلمانوں کے خلاف نفرت کی لہر چل رہی تھی۔ ہزاروں مسلمان فسادات میں مارے گئے تھے۔ الغرض صوبہ میں ہندوتوا سیاست کا بول بالا تھا۔ اس ماحول میں 1993 کے اسمبلی چناؤ منعقد ہوئے اور بی جے پی چناؤ ہار گئی۔ یہ کیسے ممکن ہوا!

آپ کو یاد ہوگا کہ 1993 یوپی چناؤ میں ملائم سنگھ یادو کی سماجوادی پارٹی اور کانشی رام کی بہوجن سماج پارٹی نے مل کر اتحاد سے چناؤ لڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بی جے پی کو شکست ہوئی اور سب حیرت زدہ رہ گئے۔ لیکن اس اتحاد میں ایسی کیا خاص بات تھی کہ اس نے بی جے پی کی مسلم منافرت کی سیاست کو اس کے عروج پر شکست دے دی! دراصل سنہ 1993 کے چناؤ اور اس میں یک طرفہ ووٹنگ بی جے پی کو ہرانے کا ایک اہم سبق ہے جس کو سمجھ کر حالیہ چناؤ میں بھی بی جے پی کو ہرایا جا سکتا ہے۔ اس چناؤ میں محض سماجوادی پارٹی اور بہوجن سماج پارٹی کا ہی اتحاد نہیں ہوا تھا، بلکہ زمینی سطح پر ایک سماجی اتحاد بھی پیدا ہوا تھا جس نے بی جے پی کی سیاست کو شکست دے دی تھی۔ وہ اتحاد تھا پسماندہ ذاتوں اور دلتوں کا۔ ملائم سنگھ یادو کی قیادت میں زیادہ تر پسماندہ ذاتیں اور کانشی رام کی قیادت میں دلتوں کی اکثریت یکجا ہو گئی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اتر پردیش کا تیسرا سب سے بڑا ووٹ بینک مسلمان نے اس چناؤ میں بہت سوچ بوجھ سے اسٹریٹجک ووٹنگ کی تھی۔ مسلمان نے اس چناؤ میں کیا کیا! اس نے یہ طے کر لیا کہ اس کا مقصد اس الیکشن میں بی جے پی کو ہرانا ہے۔ بس اس مقصد کے ساتھ اس نے 1993 میں ہر اسمبلی حلقہ میں اس کو ووٹ ڈال دیا جو بی جے پی کو ہرانے کی حیثیت میں تھا۔ پھر جب نتائج آئے تو سب محو حیرت تھے۔

یہی حکمت عملی اس بار یعنی 2022 کے اسمبلی چناؤ میں

بھی اپنانی چاہیے۔ کیونکہ اس چناؤ میں بھی زیادہ تر پسماندہ ذاتیں بھارتیہ جنتا پارٹی چھوڑ کر بھاگ رہی ہیں اور ان کا رجحان سماجوادی پارٹی کی طرف ہے۔ دلتوں کا بھی ایک بڑا طبقہ بی جے پی سے پریشان ہے اور وہ یوگی حکومت سے نجات چاہتا ہے۔ جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے، تو وہ تو بی جے پی کی سیاست سے سخت پریشان ہو چکا ہے۔ یعنی زمینی سطح پر پھر وہی 1993 والے سیاسی حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ پسماندہ ذاتیں، دلت اور مسلمان اتر پردیش کے تین سب سے بڑے ووٹ بینک بی جے پی مخالف ہو چکے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تینوں ووٹ بینک کا اتحاد پیدا ہو تا کہ سنہ 1993 والے نتائج دہرائے جا سکیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان تینوں یعنی پسماندہ ذاتوں، دلتوں اور مسلم ووٹر کا بٹوارا نہیں ہونا چاہیے۔ ان تینوں کا مقصد یوگی حکومت سے نجات حاصل کرنا ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہے کہ جب سنہ 1993 کی طرح یہ تینوں ہر چناوی حلقوں میں اسٹریٹجک ووٹنگ کر ہر اس امیدوار کو مل کر ووٹ ڈالیں جو بی جے پی کو چناؤ ہرانے کی حیثیت میں ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا بی جے پی ان تینوں سماجی گروہ کے اتحاد کو توڑنے کی کوشش نہیں کرے گی! یہ خیال کرنا کہ بی جے پی اس کو روکنے کی بھرپور کوشش نہیں کرے گی یہ خام خیالی ہوگی۔ بی جے پی کی ان حالات میں کیا حکمت عملی ہو سکتی ہے! بی جے پی کے پاس ہمیشہ انگریزوں کی طرح بانٹو اور راج کرو والی حکمت علی ہوتی ہے۔ وہ اس حکمت عملی پر کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے اس بار منڈل پلس کمنڈل حکمت عملی کا راستہ اپنایا ہے۔ یعنی وہ پسماندہ اور دلتوں میں پھوٹ اور بٹوارا کرنے کی کوشش میں ہے اور ساتھ ہی ساتھ کمنڈل یعنی صوبہ میں مسلم منافرت کی بھرپور لہر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہوگا! اس کے لیے انھوں نے طے کیا ہے کہ جہاں پسماندہ ذاتوں کی اکثریت ہو وہاں پسماندہ نمائندہ کھڑا کر ان کا ووٹ بانٹ دو۔ اسی طرح دلت آبادی والے علاقوں میں دلتوں کا ووٹ بانٹ دو۔ رام پور اور مراد آباد جیسے کثیر مسلم آبادی والے شہروں میں یہ کام ان کے لیے اسدالدین اویسی کے نمائندے کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ اس چناؤ میں پسماندہ ذاتوں، دلتوں اور مسلمانوں کو یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرنی ہے کہ ہر حلقہ میں کون نمائندہ دراصل بی جے پی مخالف ہے اور کون بی جے پی پر اکسی ہے۔ اور پھر بہت سوچ بوجھ کے ساتھ تینوں گروہ مل کر اسٹریٹجک ووٹنگ کے ذریعہ اصل بی جے پی مخالف کے خلاف ووٹ ڈالیں۔

اس سلسلے میں مسلم ووٹر کا رول بہت اہم ہوگا۔ مسلم ووٹر اکثر اسلام اور مسلمان کے نام پر جذبات میں بہہ جاتا ہے اور اپنے ووٹ کا بٹوارا کر دیتا ہے۔ اس کو اسدالدین اویسی جیسے جذباتی مسلم قائدین سے پرہیز کرنا ہوگا۔ اگر وہ جذبات کی رو میں بہہ کر اپنا ووٹ بانٹ دے گا تو پھر اس کا حشر وہی ہوگا جو بابری مسجد کے معاملے میں جذباتی سیاست کرنے سے ہوا۔ بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے زیر سایہ مسلمان جذبات میں مسجد تحفظ کے نام پر سڑکوں پر اتر پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد بھی گئی اور مسلمان بھی مارا گیا۔ جب فساد ہوئے تو اسلام اور مسلمان کی قسم کھانے والے مسلم قائدین کہیں نظر نہیں آئے۔ ایسے ہی اسدالدین صاحب کی جذباتی مسلم حقوق کی تقریریں ایک تو ہندو کو یکجا کریں گی اور دوسرے مسلم ووٹ بانٹ کر بہار کی طرح بی جے پی کو فائدہ پہنچائیں گی۔ چنانچہ مسلم ووٹر کو ہر حال میں جذباتی سیاست سے پرہیز کرنا چاہیے اور پسماندہ و دلتوں کے اتحاد کے ساتھ ووٹنگ کرنی چاہیے۔ ورنہ بی جے پی کی وہ تلوار جو ابھی سر پر لٹک رہی ہے، وہ تلوار اب گردن تک پہنچ جائے گی۔

لب ولباب یہ کہ سنہ 2022 یوپی اسمبلی چناؤ میں بی جے پی کو ہرانے کے امکان پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ پسماندہ و دلت ذاتیں اور مسلمان یکجا ہو کر بی جے پی کے خلاف ووٹنگ کریں۔ اور اس اتحاد کو لبرل و سیکولر اعلیٰ ذاتوں کی بھی حمایت حاصل ہو۔ اگر یہ ووٹ آپس میں بٹ گئے تو پھر بی جے پی کامیاب ہو جائے گی۔ اس لیے اس ووٹ کو بٹنے سے روکیے اور بی جے پی کو شکست دیجیے۔

(بشکریہ قومی آواز)

اداریہ

ہفت روزہ آوازِ نو اردو، دہرہ دون

اسلام میں بیٹی کا مقام

زمانہ قبل از اسلام کی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت انسانیت مختلف قسم کی معاشرتی و اخلاقی بیماریوں سے دوچار تھی، تعلیم وتربیت کا فقدان تھا، ظلمت وجہالت عروج پر تھی، غربت وافلاس نے ڈیرے ڈال رکھے تھے، ایسے میں ظالمانہ وجاہلانہ رسومات کا جنم لینا ایک بدیہی سی بات ہے، ایسی ہی جاہلانہ رسومات میں سے ایک قبیح رسم بعض قبیلوں میں بیٹی کو زندہ درگور کرنے کی بھی تھی، اِس رسم کی بنیاد بے جا غیرت پر مبنی تھی کہ کل کسی کو بیٹی دینی نہ پڑے، کوئی ہمارا داماد بن نہ سکے، کسی کے سامنے ہماری نظریں جھک نہ سکیں، اِس لئے جو بھی بیٹی کسی کے گھر میں پیدا ہوتی وہ اسے زندہ زمین میں دفن کر دیتا۔ چنانچہ قرآنِ مجید نے اِنہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے: ''ترجمہ: ''اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی کی (پیدائش) کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے، اِس خوش خبری کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے کہ) ذلت برداشت کرکے اسے اپنے پاس رہنے دے، یا اسے زمین میں گاڑ دے، دیکھو! انہوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں۔ (سورۃ النحل:۱۶/ ۵۸، ۵۹) دوسری جگہ فرمایا ہے: ''ترجمہ: ''اور جس بیٹی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا گیا تھا اُس سے پوچھا جائے گا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟''
(سورۃ التکویر:۸۱/ ۸، ۹)

اسلام نے جب دُنیا میں اپنی کرنیں بکھیرنا شروع کیں اور اُس کو تمام مذاہب پر غلبہ نصیب ہوا تو اُس نے ساری دُنیا کا نقشہ ہی بدل ڈالا، اُس نے زمانۂ جاہلیت کی رسومات کو توڑا، لوگوں کو ظلمت وجہالت سے نکالا، اُن کی صحیح تعلیم تربیت کی اور اُنہیں انسانیت کا کھویا ہوا مقام واپس دلایا، زمانۂ جاہلیت میں بیٹی کو جتنا منحوس اور نامبارک خیال کیا جاتا تھا، اسلام نے اُتنا ہی اُس کو خوش قسمت اور بابرکت بتایا۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے اپنی بیٹی کو زندہ درگور نہیں کیا، نہ ہی اُس کو ذلیل سمجھا اور نہ ہی بیٹے کو اُس پر مقدم کیا تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے۔'' (سنن ابی داؤد:5146)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''وہ عورت مبارک ہوتی ہے جس کی پہلی اولاد بیٹی ہو۔'' (تفسیر روح البیان: ج5 ص45)

ایک اور حدیث میں آتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضورِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے یہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئیں اور جب تک وہ اُس کے پاس رہیں اُس نے اُن کے ساتھ بھلائی کی، تو یہ اُس کو جنت میں لے جائیں گی۔'' (مستدرک حاکم:7351)

ایک حدیث میں آتا ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دو یا تین بیٹیوں یا دو یا تین بہنوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں یا مر گئیں تو میں اور وہ جنت میں ایسے ہوں گے جس طرح دو انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔'' (صحیح ابن حبان:447)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے دو بیٹیوں کی پرورش کی تو وہ اور میں اِس طرح جنت میں داخل ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں اُنگلیوں کو ملا کر بھی دکھایا۔ (جامع ترمذی:1914)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر کوئی شخص بیٹیوں کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور پھر اُس نے خوش دلی کے ساتھ اُن کی پرورش کی اور اُن پر احسان کیا تو یہ بیٹیاں جہنم کی آگ سے اُس کے لئے آڑ بن جائیں گی۔
(بخاری:1418، مسلم:2629)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی، اُس کے ساتھ اُس کی دو بیٹیاں تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُس عورت کو تین کھجوریں دیں، اُس نے ایک ایک کھجور تو اپنی دونوں بیٹیوں کو دے دی اور تیسری خود کھانا چاہتی تھی، لیکن بیٹیوں نے وہ بھی مانگ لی، اُس عورت نے اُس کھجور کے دو ٹکڑے کرکے وہ بھی آدھی آدھی اُن دونوں بیٹیوں کو دے دی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب اِس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ: ''اِس عورت کو جہنم سے آزاد کر دیا گیا ہے اور اِس پر جنت واجب ہو چکی ہے۔'' (صحیح مسلم:2630)

افسوس! کہ بیٹی کو منحوس اور نامبارک سمجھی جانے والی زمانۂ جاہلیت کی یہ قبیح اور بری رسم آج ہم مسلمانوں میں در آئی ہے، ہم مسلمانوں کی اکثریت بیٹی کی پیدائش کو اچھا نہیں سمجھتی، اُس سے تنگ دل ہوتی ہے، اُس کو بوجھ سمجھتی ہے اور اُس کو انتہائی حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، حالانکہ اکثر وبیشتر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے کہ بیٹوں کی نسبت بیٹیاں ماں باپ کی زیادہ خدمت زیادہ کرتی ہیں، اُن کی اطاعت وفرماں برداری میں بیٹوں سے بڑھ کر ہوتی ہیں، اُن کے مرجانے کے بعد اُن کے لئے پڑھ پڑھ کر اور اُن کی طرف سے صدقہ وخیرات کرکے بیٹوں کے مقابلے میں اُن کو زیادہ ثواب پہنچاتی ہیں تو پھر بیٹیوں کی پیدائش سے ہم کیوں پریشان ہوں، اُن کے وجود کو ہم کیوں بوجھ سمجھیں اور اُن کی تعلیم وتربیت اور اُن کی پرورش سے ہم کیوں اِعراض برتیں؟ بالخصوص جب کہ اسلام نے اُن کی پیدائش کو مصیبت وذلت سمجھنے سے منع کیا ہے اور اسے کافروں اور مشرکوں کا فعل اور اُن کا شعار قرار دیا ہے۔ (مہمان ایڈیٹر، محمد وقاص)

وقت کی اہمیت

از.. مفتی منیب الرحمٰن

ترقی یافتہ اقوام وممالک میں بعض اَقدار کی پاس داری ہے، ان میں سے ایک وقت کی پابندی ہے، لیکن بدقسمتی سے ہم اپنی اَقدار کو بھلا بیٹھے ہیں۔ ہمارا معاشرتی المیہ بن چکا ہے کہ تقریبات خواہ کسی نوعیت کی ہوں، وقت پر شروع ہوتی ہیں اور نہ وقت پر اختتام پذیر ہوتی ہیں، نتیجتاً اگلے روز کی مصروفیات بھی متاثر ہوتی ہیں اور ذہنی و اعصابی تھکاوٹ کے سبب صحت بھی رُو بہ زوال رہتی ہے۔ وقت کی یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ پوری قوم کے پاس صرف وقت ہی ایک ایسی اَرزاں شے ہے، جسے ہم فراخ دلی سے ضائع کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''پانچ کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے تندرستی کو، محتاجی سے پہلے مال داری کو، مصروفیت سے پہلے فرصت کو اور موت سے پہلے اپنی زندگی کو (غنیمت جانو)''۔
(الجامع الصغیر:1210)۔

ہماری مذہبی، سماجی اور سیاسی تقریبات کے جب دعوت نامے جاری کیے جاتے ہیں تو باقاعدہ نظام الاوقات درج ہوتا ہے اور میزبان یا داعی کی طرف سے مہمانوں کو تحریری صورت میں یہ تاکید کی جاتی ہے کہ آپ فلاں وقت تشریف لائیں، اس کے لیے انگریزی کا لفظ Sharp تحریر ہوتا ہے، یعنی ٹھیک مقررہ وقت پر اور طے شدہ پروگرام کے مطابق یہ تقریب منعقد ہو گی، مہمانوں کے استقبال اور طعام کا وقت بھی تحریر ہوتا ہے لہٰذا یہ دعوت نامہ ایک ایسا وعدہ ہوتا ہے جو تقریب کا دَاعی بیک وقت درجنوں یا سینکڑوں مہمانوں سے کرتا ہے؛ پس تاخیر کی صورت میں یہ ایک شخص سے وعدہ خلافی نہیں ہوتی بلکہ جتنے مہمان ہیں' اتنی وعدہ خلافیاں شمار ہوں گی اور اِسی اعتبار سے اس کا وبال بھی ہوگا۔

اسلام میں ایفائے عہد کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (1) ''اور وعدہ پورا کرو، بیشک وعدے کی بابت (آخرت میں) باز پرس ہوگی'' (بنی اسرائیل: 34)، فلاح یافتہ مومنوں کی صفاتِ حمیدہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (2) ''اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہد کی (مکمل) پاسداری کرتے ہیں'' (المؤمنون:8)، اسی طرح نیکی کے مرتبۂ کمال پر فائز اہلِ ایمان کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا: (3) ''اور (یہ وہ لوگ ہیں کہ) جب وعدہ کر لیں تو (پھر) اپنے عہد کی پاس داری کرتے ہیں'' (البقرۃ: 177)۔ اسلام میں قول وفعل کا تضاد انتہائی معیوب بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (1) ''اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کہتے کیوں ہو، جن پر تم خود عمل نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑی ناراضی کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم خود عمل نہ کرو'' (الصّف:2-تا3)۔ یعنی قول وفعل کا تضاد اور دوغلا پن اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ علمائے یہود کی اسی روش کو ناپسند فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (2) ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب (یعنی تورات) کی تلاوت کرتے ہو، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے'' (البقرہ:44)۔ یعنی کتابِ الٰہی میں قول وفعل اور گفتار وکردار کے تضاد کو ناپسند کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے احادیثِ مبارکہ میں منافق کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں: (1) ''جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، (2) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، (3) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، (4) جب وہ معاہدہ کرے تو دھوکا دے، (5) جب جھگڑا کرے تو بدکلامی کرے اور حد سے تجاوز کرے،
(بخاری:33 تا 34)۔

اِسی بے عملی، دَرُوغ گوئی، تضاد بیانی اور قول وفعل کے تضاد کا یہ نتیجہ ہے کہ لوگ تقریبات میں وقت پر نہیں آتے، نیز وقت پر آنے والے کو سادہ لوح اور بے وقوف سمجھا جاتا ہے اور وقت کی پابندی نہ کرنے والے سمجھ دار اور معزز قرار پاتے ہیں، حتیٰ کہ جو لوگ' دھوپ ہو یا بارش میں' نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے صحیح وقت پر آتے ہیں، انہیں اہمیت نہیں ملتی بلکہ اکرام اُن کو ملتا ہے جو آخری وقت میں دیر سے آتے ہیں اور اُن کے انتظار میں سب کو تکلیف دی جاتی ہے۔ یہ شِعار انتہائی ناپسندیدہ ہے، اگر کسی سبب سے میت کے قریب ترین ولی کا انتظار کرنا پڑے تو ایک حد تک یہ بات سمجھ میں آتی ہے لیکن اسے ہر شخص کے لیے معمول بنانا قطعاً درست نہیں ہے۔

یہی طرزِ عمل مذہبی تقریبات میں بھی ہوتا ہے اور شاید ہی کوئی تقریب وقت پر شروع ہو پاتی ہو۔ الغرض وقت کی ناقدری ہمارا قومی شِعار بن چکا ہے۔ بعض صورتوں میں رات گئے پچھلے پہر تک محافلِ نعت، میلاد النبی اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلسے ہوتے ہیں اور اکثر لوگوں کی فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ مستحبات پر عمل قابلِ تحسین، لیکن اگر اس کے سبب فرائض ترک ہو جائیں تو کسی بھی صورت میں اس کی تحسین نہیں کی جاسکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال ہوا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''نماز کو اپنے مقررہ وقت پر ادا کرنا'' (بخاری: 527)۔ ترکِ نماز پر تو قرآن وحدیث میں بڑی وعیدیں ہیں، نماز میں تساہُل کو بھی منافقوں کا شِعار قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (1) ''بیشک منافق (اپنے زعمِ باطل میں) اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں، حالانکہ اللہ ان کو ان کے دھوکے کی سزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو انتہائی بے دلی سے مسلمانوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں'' (النسآء:142)۔ (2): ''سو ان نمازیوں کے لیے افسوس ہے، جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں (اور) ریا کاری کرتے ہیں'' (الماعون: 5 تا 6)۔ اگرچہ نماز کے وقت میں شریعت نے گنجائش رکھی ہے' ابتدائی اور آخری وقت کا بتا دیا گیا ہے، فقہی اعتبار سے مستحب اور مکروہ وقت بھی بتا دیا گیا ہے لیکن بعض اوقات تقریری پروگراموں کی طوالت کی وجہ سے نماز کو مکروہ وقت تک مؤخر کر دیا جاتا ہے یا جمعۃ المبارک کی نماز میں لمبی تقریر کے سبب تاخیر کی جاتی ہے، حالانکہ مساجد میں نمازِ جمعہ کا وقت طے ہوتا اور آویزاں ہوتا ہے، اس کا نقصان یہ ہے کہ لوگ مزید تاخیر سے آتے ہیں۔ پس لازم ہے کہ خطاب اور خطبۂ مسنونہ کو اپنی حد میں رکھا جائے اور نماز جمعہ کو مقررہ وقت سے مؤخر نہ کیا جائے۔ یہی صورتِ حال تعلیمی اداروں، دفاتر اور دیگر شعبوں کی ہے۔ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس، جن پر قومی خزانے سے کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں، اکثر وقت پر شروع نہیں ہو پاتے اور اَرکان کی حاضری کا تناسب بھی شرم ناک حد تک کم ہوتا ہے اور اکثر کورم نہ ہونے کی وجہ سے اجلاس ملتوی کرنا پڑتے ہیں، جبکہ اراکینِ اسمبلی کے ڈیلی الاؤنس میں کوئی کٹوتی نہیں کی جاتی۔ سنجیدہ قانون سازی کے بجائے اکثر بے مقصد بحثوں، واک آؤٹ اور شور شرابے پر اجلاس برخاست ہو جاتے ہیں۔ بڑے شہروں میں وقت کے ضیاع کی ایک صورت ٹریفک کا بے ہنگم انداز میں چلنا ہے، ہر ایک دوسروں کا حق مار کر آگے نکلنا چاہتا ہے۔ ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کو اپنی شان دکھانے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس تگ ودَو میں ٹریفک کی قطاریں ٹوٹ جاتی ہیں، ٹریفک پھنس جاتی ہے اور رَوانی موقوف ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں سینکڑوں لوگوں کے وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔ ٹریفک کنٹرول کرنے کا عملہ بعض بااثر لوگوں کے خوف سے کسی کو روکنے ٹوکنے کی جرأت نہیں کر سکتا، اس کا حل یہی ہے کہ ہم میں خود حقوقِ انسانی کی پاس دَاری کا جذبہ پیدا ہو اور ایثار سے کام لیں۔ ہمارے ہاں بجلی کا شدید بحران ہے، اس کے باوجود ہم کسی سنجیدہ مصروفیت کے بغیر راتوں کو دیر تک جاگتے ہیں اور صبح دیر سے اٹھتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (1) ''ہم نے رات کو لباس (ستر پوشی) کے لیے اور دن کو (کسبِ) معاش کے لیے بنایا ہے'' (النبا: 10 تا 11)۔ (2) ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تا کہ تم اس میں سکون پاؤ اور دن کو روشن بنایا (تا کہ تم اس میں کسب معاش کرو)'' (یونس:67)۔

(باقی صفحہ 4 پر)

اسلام اعتدال اور میانہ روی کا دین ہے

از۔سماوہ سلطان

اس موضوع پر لکھنا آج بہت ضروری ہو چکا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں اب دو طبقات بن چکے ہیں۔دونوں ہی انتہا پر ہیں اور شاید دونوں ہی اصل دین اسلام کی رو سے ناواقف ہیں۔اس کا نقصان ہم اٹھا بھی رہے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ ہے جو بظاہر اسلام کا علمبردار ہے۔انکا حلیہ اور ان کے سلام دعا میں عربی کلمات سن کر ویسے بھی ہم ان کو اصل مسلمان تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ان کے مطابق اللہ کے ہاں عذاب ہی عذاب ہے ہر دوسرا بندہ کافر بھی ہے اور یہی طے کرتے ہیں کہ کون کتنا اچھا مسلمان ہے۔اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی سے ان کے مرید نے کہا حضور مجھے کوئی نصیحت کریں۔تو انہوں نے فرمایا ایک ہی نصیحت ہے۔نہ خدا بننا اور نہ کبھی رسول بننا۔تو ان کا مرید حیران ہو گیا اور پوچھنے لگا کہ کیا مطلب کوئی بھی انسان خدا یا رسول کیسے بن سکتا ہے۔تو انہوں نے فرمایا یہ شان صرف خدا کی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔اس لیے کبھی یہ آرزو نہ رکھنا جو میں چاہوں وہی ہو۔کبھی ایسا ہو جائے جو تم چاہتے ہو تو شکر کرنا اور جب ایسا نہ ہو تو صبر کرنا۔ جو شخص ایسا سوچتا ہے کہ سب کچھ اس کی چاہ کے مطابق ہو تو یہ شان صرف خدا کی ہے۔پھر فرمایا کہ یہ شان صرف رسول کی ہے کہ جو ان سے اختلاف کرے وہ کافر ہے۔ جو ان کی بات کو رد کرے وہ کافر ہے۔یہ شان کسی انسان کسی ولی کسی پیر کی نہیں کہ ان سے اختلاف کرنے والے کو کافر قرار دیا جائے۔یہ سوچتا ہے کہ اس کی بات سے اختلاف کرنے والا شخص کافر ہو گیا یہ گستاخ ہو گیا ہے تو وہ شخص دراصل خود کو رسول سمجھتا ہے۔نعوذ باللہ۔دوسرا طبقہ وہ ہے جو اسلام کو صرف انتہا پسند اور بڑا ظالم و سخت دین سمجھتا ہے۔اور یہ لوگ دین سے دور ہو جاتے ہیں۔ہم یہ کیوں بھول گئے ہیں کہ اسلام اعتدال اور میانہ روی کا دین ہے۔ بقول اقبال

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

ہمارے ہاں سب سے بڑا مسئلہ پرفیکشن ازم ہے۔ ہم اپنے علاوہ سب کو پرفیکٹ دیکھنا چاہتے ہیں۔ہم سنتے ہیں ناں رمضان المبارک شروع ہونے پر جب کوئی شخص روزہ رکھتا ہے یا عبادات کرنے لگتا ہے تو ہم کتنی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ سارا سال تک نیکی نہیں اور اب مسلمان بن گیا ہے۔ یا یہ کہ تمہاری کوئی عبادت تو قبول ہی نہیں ہوگی یا تو ہمیشہ نیک رہو یا پھر ایک مہینے کیلئے بھی نیک نہ بنو۔ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ اگر کوئی ایک سجدہ بھی کرتا ہے تو وہ توفیق ملنے پر ہی کر رہا ہوتا ہے۔کبھی کسی کو کافی عرصے بعد نماز پڑھتا دیکھ لیں تو فوراً ہم کہہ دیتے ہیں کہ پڑھنی ہیں تو پوری پڑھو اور روز پڑھو یہ کیا کہ کبھی پڑھ لی کبھی چھوڑ دی۔ یہ نہیں قبول ہوگی۔ یہ بات سن کر ہی اگلا بندہ خوف میں آجاتا ہے اور سوچتا ہے کہ ہم نہیں نیک ہو سکتے اور جو اچھائی وہ کر رہا ہوتا ہے وہ بھی رہ جاتی ہے۔لیکن ہمیں اپنے دین کی سمجھ تب ہی آئے گی ناں جب ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ اللہ نے جو 114 سورتیں بھیجی ہیں آخر ان میں لکھا کیا ہے، جب ہم سمجھ جائیں گے کہ صرف عربی میں قرآن پڑھ لینا کافی نہیں اور نہ ہی یہ کتاب صرف اس لیے ہے کہ اس کو چوم کر غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا جائے بلکہ یہی تو بقاء ہے دنیا اور آخرت دونوں کی۔

یہاں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تو رحمٰن الرحیم ہے۔وہ تو ہماری ہر نیکی کو خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو قبول کر رہا ہوتا ہے۔دین اسلام نماز، روزہ اور حقوق اللہ سے بہت بڑھ کر ہے۔سورہ ماعون میں اللہ تعالیٰ نے تو سزا اور جزا جھٹلانے والے کو کچھ یوں بیان کیا ہے۔یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی تلقین کرتا ہے۔

تو بربادی ہے اور نماز پڑھنے والوں کے لیے جب نماز سے غافل ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں اور عام استعمال کی چیزیں بھی مانگنے پر نہیں دیتے۔سبحان اللہ۔اسلام تو یہ ہے۔مکمل حقوق العباد کا درس دینے والا دین ہے جہاں راستے سے پتھر ہٹانا بھی ثواب ہے۔یہ مسلمان کی وہ تعریف ہے جو قرآن اور سنت میں ہے۔اور ایک طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں فلاں کا لباس ایسا تھا اس لیے وہ جہنمی ہے۔یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم نے کسی اور کے لباس کا نہیں بلکہ اپنے اعمال اور نظر کا حساب دینا ہے۔اب ہمیں ہر اس سوال سے بھی نکل آنا چاہیے جو ایک بندے اور رب کے درمیان انفرادی طور پہ کیا جائے گا۔اس پر غور کرنا ضروری ہے جو ہماری اجتماعی اور انسانی ذمہ داریاں ہیں۔

ہم سے یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ آپ کے ہمسائے نے نماز پڑھی تھی یا نہیں لیکن یہ ضرور پوچھا جائیگا کہ آپ کا ہمسایہ بھوکا سویا تھا جب آپ نے سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ہم کتنے اچھے مسلمان ہیں، یہ بات جانچنے کا معیار صرف یہ تو نہیں کہ کون حافظِ قرآن ہے یا کون دن رات عبادت میں لگا ہوا ہے۔ ہمارا دین ہمارے اخلاق پر منحصر ہے کہ کیسے ہم انسانوں کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اسلام کی بنیاد اگرچہ پانچ ستونوں پر بنائی گئی ہے مگر اس سے آگے بھی بہت سے ایسے خصائل ہیں جو ہمیں صحیح معنوں میں مسلمان بناتے ہیں۔حضرت ابو ہریرہ سے حدیث نبوی ﷺ روایت ہے کہ:مسلمان (کامل) وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔من سلم المسلمون کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر مسلم کو زبان یا ہاتھ سے تکلیف دینا برا نہیں سمجھا جاتا۔اس شبہ کو ختم کرنے کے لیے دوسری روایت میں من امنہ الناس کا لفظ بھی آتا ہے جہاں ہر انسان کیلئے یہی کہا گیا ہے۔زبان سے محفوظ، یعنی کسی پر جھوٹ نہ بولیں بہتان نہ لگائیں، الزام نہ لگائیں، کسی کے عیب نہ کھولیں، گالی نہ دیں، بدکلامی نہ کریں، اپنے الفاظ سے کسی کو تکلیف نہ دیں، کسی پر ایسا فقرہ نہ کسا جائے جس سے دوسرا شخص شرمندہ ہو اور غیبت نہ کی جائے۔

آج شاید سب سے زیادہ تکلیف ہم زبان سے ہی دیتے ہیں اور ہم اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ بعض اوقات ہم خود محسوس بھی نہیں کرتے کہ ہمارے الفاظ دوسروں کیلئے کیسے ہیں۔مثلاً ہم کسی کی بھی ظاہری صورت پر بول دیتے ہیں، کسی کی رنگت پر یا کسی بھی عضو پر۔یا کسی کو اس کی جسامت پر مذاق کا موضوع بنا لیتے ہیں، اور پھر اسی بنیاد پر کوئی بھی نام رکھ لیتے ہیں اور اس نام سے اسے پکارتے بھی ہیں۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو ہم پیار سے کہہ رہے ہیں یا مذاق میں کہہ دیا۔تو جان لیں! یہ نہ ہی مذاق ہے نہ ہی پیار کرنے کا طریقہ، یہ سراسر غیر انسانی رویہ ہے جس کے حق میں دیا جانے والا ہر جواز بے معنی ہے۔ بجائے کسی کو ایسا کہنے کے "موٹے لگ رہے ہو، پتلے لگ رہے ہو ایسے کپڑے کیوں پہنے" صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ "اچھے لگ رہے ہو"۔کم از کم سننے والے کو خوشی ہی دے دیں جو کہ ہمارے لئے آسان سا کام ہے۔ہاتھ سے محفوظ، یعنی چوری نہ کی جائے، کسی کے مال پر قبضہ نہ کیا جائے، امانت میں خیانت نہ کی جائے، مال میں ملاوٹ نہ کی جائے، رشوت خوری سے بچا جائے، قتل و غارتگری سے دور رہا جائے اور کسی کو تشدد کا نشانہ نہ بنایا جائے۔

اب ہم اگر اس ایک حدیث کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے سوچیں تو واضح ہو جائیگا کہ ہم کتنے مسلمان ہیں۔

ہم دوسرے انسان کیلئے بہت جلدی بدگماں ہوتے ہیں، جبکہ ابن القیم کے مطابق:

اگر میں دیکھوں کہ کسی کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے، تو میں یہ سمجھوں گا کہ کسی نے اس پر گرا دی ہوگی، اگر میں دیکھوں کہ کوئی پہاڑ کی چوٹی پہ کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے کہ میں خدا ہوں، تو میں یہ سمجھوں گا کہ وہ کسی آیت کی تلاوت کر رہا ہے۔

''ایک مومن کو تو اپنے بھی اعمال کا احتساب نہیں ہوتا اسے کیا حق کہ وہ کسی دوسرے کیلئے بدگمان ہوتا پھرے۔'' اور ہم کتنے جلدی دوسروں کے بارے میں ایک رائے قائم کر لیتے ہیں۔اور اسے حتمی بھی سمجھتے ہیں۔تاریخ کا مختصر ترین خطبہ جمعہ سوڈان کے شیخ عبد الباقی المکاشفی نے دیا۔ وہ ممبر پر بیٹھے اور فرمایا: ''بھوکے مسکین کے منہ میں ایک لقمہ پہنچانا ہزار مساجد کی تعمیر سے بہتر ہے۔ صفیں درست فرما لیں۔'' میری خواہش ہے کہ ہم بجائے طویل خطبے سنانے کے وہ بھی جن میں صرف اللہ کی بندوں پر سختی اور بار بار فرض عبادت کی ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اگر ہم یہ بھی بتایا کریں کہ اسلام انسانوں کے کیسا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور نبی کریم ﷺ کی سیرت کو بیان کریں تو یقیناً فلاح پائیں۔حضور ﷺ کی زندگی کا تو ہر پہلو ہمارے لئے ہدایت ہے۔ طائف میں ان کا صبر کا، فتح مکہ کے موقع پر معاف کر دینا، غیر مسلموں سے رویہ، اہل وعیال کے ساتھ آپ کا سلوک۔غرض ایک ایک عمل ہماری زندگی کو بہترین بنانے کیلئے ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں، عبادات کرنے کے ساتھ ساتھ احکامات پر عمل کرنے کی اہمیت زیادہ ہے۔جیسا کہ روزہ دار سے متعلق حدیث مبارکہ ہے کہ:

جو شخص روزہ رکھتا ہے اور جھوٹ اور برے عمل نہیں چھوڑتا تو اللہ پاک کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایک اور حدیث ہے کہ: روزہ صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے روزہ ہر برے طرزِ عمل کو چھوڑنے کا نام ہے۔پس کوئی شخص تمہیں گالی دے یا تم سے جھگڑا کرے تو پس تم اس سے کہو کہ میں روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں۔

باقی صفحہ 4 پر

فقہی مسائل

سوال: قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر یا قرآن سر پر رکھ کر قسم کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: قسم کھانے کی دو صورتیں ہیں: ماضی میں ہونے والے کسی کام یا واقعہ کے متعلق قسم کھانا۔ مستقبل میں کسی کام کی قسم کھا لینا صورتِ اول کی مزید دو قسمیں ہیں: وہ قسم جو لاعلمی یا غلط فہمی کی وجہ سے کھائی گئی ہو، یعنی انسان ماضی کے کسی واقعہ کے متعلق غلط فہمی کی بنیاد پر قسم کھائے کہ فلاں کام ایسے ہوا تھا، لیکن حقیقت میں ویسا نہ ہو۔ اِسے یمینِ لَغو یعنی غلط فہمی کی قسم کہا جاتا ہے اور اس پر نہ گناہ ہے اور نہ ہی اس کا کوئی کفارہ ہے۔ ماضی میں ہونے والے کسی کام کے متعلق قسم کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی گزرے ہوئے واقعہ کے متعلق جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہوئے قسم کھائے، یہ یمینِ غَموس یعنی جھوٹی قسم کہلاتی ہے۔ یمینِ غموس حرام ہے، اس کا کوئی مالی کفارہ تو نہیں، البتہ اس پر توبہ و استغفار لازم ہے اور آئندہ ایسا کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ مستقبل کے کسی معاملے کے متعلق کھائی گئی قسم یمینِ منعقدہ کہلاتی ہے۔ ایسی قسم توڑنا منع ہے اور توڑنے کی صورت میں قسم کھانے والے پر کفارہ لازم آتا ہے۔ اس کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو یا غلام میسر نہ ہو تو پھر دس مسکینوں کو دو وقت کا پیٹ بھر درمیانے درجے کا کھانا کھلانا، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر دس مسکینوں کو اوسط درجے کا لباس فراہم کرنا ہے۔ اگر تینوں میں سے کسی صورت کو بھی اختیار کرنے کی مالی استطاعت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھنا ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ قسم کسی بات کے انکار کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے نہ کہ اپنا دعویٰ ثابت کرنے لے لیے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے، ایک مقام حضر موت سے اور دوسرا کندہ سے۔ حضرمی نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس شخص (کندی) نے میرے باپ کی طرف سے ملی ہوئی زمین کو مجھ سے چھین لیا۔ کندی نے کہا: وہ میری زمین ہے اور میرے تصرف میں ہے، میں اس میں زراعت کرتا ہوں، اس شخص کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرمی سے پوچھا: تمہارے پاس گواہ ہیں؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر اس (کندی) شخص کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ حضرمی نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ جھوٹا ہے، جھوٹ پر قسم اٹھا لے گا، یہ کسی چیز سے پرہیز نہیں کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے۔ جب کندی قسم کھانے کے لیے مڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اس شخص نے اس کا مال کھانے کے لیے قسم کھائی ہے تو جب یہ اللہ سے ملاقات کرے گا تو وہ اس سے ناراض ہوگا۔ (مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب وعید من اقتطع حق المسلم بیمین فاجرة بالنار، 1:123، الرقم: 139) مذکورہ بالا تصریح سے ثابت ہوا کہ مدعی ثبوت پیش کرتا ہے، اگر اس کے جواب میں مدعیٰ علیہ کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو تو اپنی صفائی کے لیے قسم یا حلف دیتا ہے۔ قسم قرآنِ مجید پر ہاتھ رکھ کر کھائی جائے، قرآنِ مجید سر پر رکھ کر کھائی جائے یا بغیر قرآن اٹھائے کھائی جائے، قسم یکساں ہی رہتی ہے۔ قرآنِ مجید پر ہاتھ رکھنا یا قرآنِ مجید سر پر رکھنا محض اپنی قسم کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ کوئی شخص قرآنِ مجید سر پر رکھ کر صحیح بات کہے یا بغیر قرآن کو اٹھائے سچ کہے برابر ہے، تاہم قرآنِ مجید سر پر رکھ کر یا قرآنِ مجید پر ہاتھ رکھ کر جھوٹی قسم کھانا گناہ کی سنگینی کو بڑھا دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قسم کھاتے ہوئے قرآنِ مجید سر پر رکھنا یا قرآنِ مجید پر ہاتھ رکھنا اپنی قسم کی اہمیت جتانے کے لئے کیا جاتا ہے، اسی طرح کسی سے قسم لیتے ہوئے اس کے سر پر قرآن مجید رکھنا یا قرآنِ مجید پر ہاتھ رکھوانا اسے ڈرانے کے لیے ہوتا ہے تا کہ وہ جھوٹی قسم نہ کھائے۔

(از۔مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی)

RNI.NO.UTTURD/2010/35667--------Postal.Regd.No.UA/DO/DDN/704/2020-2022

AAWAZ-E-NAU(URDU-WEEKLY)

Off.Add.35/221 LAKHI BAGH DEHRADOON.Pin.No.248001 (UK)

email:awazenau1@gmail.com-

Mob No................. 7055478786 / 9870876799

VOL.12.Issue.26.Date-24.1.22 Monday

TO ____________________

____

____

____

کلماتِ حکمت

مرتّبہ: عین الحق بغدادی

انسان ساری زندگی دُنیوی اور اُخروی ترقی اور درجات کی بلندی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ ہر صاحبِ نظر شخص خواہش مند ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت اسے دنیا و آخرت دونوں میں بلندی و کمال عطا فرمائے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بلندی، کمال اور رفعت کا حصول کیسے ممکن ہے؟ ہم میں سے اکثر لوگ اس حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے درجات کی بلندی کا ذریعہ 'مجالس' کو قرار دیا ہے۔ وہ کون سی مجالس اور کن لوگوں کی مجالس ہیں جو بلندیِ درجات کا باعث ہوتی ہیں؟ اس سلسلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ (اپنی) مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادہ ہو جایا کرو، اللہ تمہیں کشادگی عطا فرمائے گا اور جب کہا جائے کھڑے ہو جاؤ تو تم کھڑے ہو جایا کرو، اللہ اُن لوگوں کے درجات بلند فرما دے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا، اور اللہ اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو خوب آگاہ ہے''۔ (المجادلہ، ۵۸:۱۱)

اس آیت کریمہ سے درج ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں:

اس آیت کریمہ کے پہلے حصے میں 'المجالس' جبکہ آخری حصے میں 'العلم' کا ذکر ہے جس سے مجالسِ علم کی افادیت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو مجالس کے نشست و برخاست کے آداب سمجھانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر تم یہ آدابِ مجالس بجا لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان اور علم والوں کے درجات بلند فرمائے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے درجات کی بلندی اور مجالس کو باہم منسلک (correlate) کیا ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مجلس میں بیٹھنے سے درجات کی بلندی تبھی نصیب ہوگی جب بیٹھنے والے کو کوئی روحانی و اُخروی نفع حاصل ہو اور اس کی خیر میں اضافہ ہو۔ بالفاظِ دیگر روحانی، اُخروی یا دینی کسی بھی اعتبار سے خیر میں اضافہ درجات کی بلندی کا باعث بنتا ہے۔ یاد رہے کہ 'خیر' میں اضافہ تبھی ہوتا ہے جب بیٹھنے والے کو مجلس سے ایمان اور علم دو چیزیں حاصل ہوں۔ گویا کسی مجلس میں حاضری سے درجات کی بلندی کا حصول 'خیر' کے میسر آنے سے مشروط ہے اور 'خیر' کا اضافہ تبھی ممکن ہوتا ہے جب اس مجلس العلم سے انسان 'ایمان' اور 'علم' کے نور سے منور ہو کر نکلے۔

ہم نشین نیک، عبادت گزار، متقی، اللہ سے محبت کرنے والا، عقیدۂ صحیحہ کا حامل، صدقِ نیت اور اخلاص کا پیکر ہونا چاہیے۔

اس ضمن میں ہمارے ذہن میں بہت سے سوالات سر اٹھاتے ہیں، مثلاً وہ کون سی مجالس ہیں جو بیٹھنے والوں کے ایمان اور علم میں اضافے کا باعث بنتی ہیں؟ کیسی مجالس اور کن اوصاف کے حامل ہم نشین کا انتخاب کرنا چاہیے؟ مجالس کے عنوان کیا ہوں؟ آیئے! اس سلسلے میں حضور نبی اکرم a کے ان فرامین سے رہنمائی لیتے ہیں جن میں حضور نبی اکرم a نے ایسی مجالس اور ہم نشینوں کی صفات بیان فرمائی ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہمارے بہترین ہم نشین کون ہیں؟ آپ a نے فرمایا: جس کا دیکھنا تمہیں اللہ کی یاد دلا دے، جس کا بولنا تمہارے علم میں اضافہ کرے اور جس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث مبارک میں صالح جلیس کی صحبت کے تین ثمرات ذکر فرمائے ہیں۔

گویا ہم نشین اگر نیک، عبادت گزار، متقی، اللہ سے محبت کرنے والے، علم و عقیدۂ صحیحہ کے حامل، صدقِ نیت اور اخلاص کے پیکر ہوں تو ان کے ساتھ مل بیٹھنے سے بھی خیر نصیب ہوتی ہے، ایمان اور علم کا نور حاصل ہوتا ہے، گناہوں کی بخشش ہوتی ہے اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِن جامع کلمات کے ذریعے مجالسِ علم کی برکات، صحبتِ صلحاء کے اثرات اور مجالس کے انعقاد کے مقاصد واضح فرما دیے ہیں۔

جس طرح ماحول کے اِنسانی جسم و روح پر اَثرات ہوتے ہیں اسی طرح صحبتِ صالحین اور مجالسِ علم کے قلب و روح پر اثرات ہوتے ہیں۔

صالح لوگوں کی محض زیارت انسانی جسم اور روح پر کیا اور کیسے اثرات مرتب کرتی ہے؟ اس بات کو مادی زندگی کی چند اَمثال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص جسمانی طور پر تھکا ہارا اور طبیعت میں تلخی (depression) محسوس کرے تو ڈاکٹر اُسے سبزہ اور صاف ستھری کھلی فضاء میں کچھ لمحات گزارنے اور سیر کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اس خوش گوار فضا میں سانس لینے اور ہریالی، باغ، پھول، درخت، پانی، جھیل اور قدرتی مناظر کو دیکھنے سے اس کی طبیعت کو تازگی (freshness) ملتی ہے اور اعصابی تناؤ کم ہوتا ہے۔

ماں باپ کو اپنی پیاری اولاد دیکھنے سے ایک فرحت حاصل ہوتی ہے۔

اپنے محبوب دوست کو دیکھنے سے طبیعت میں فرحت و تازگی آتی ہے اور انسان کا باطن اس خوش گوار تبدیلی کو اس قدر محسوس کرتا ہے کہ اس کیفیت کا اظہار لکھنے، پڑھنے اور بیان کرنے سے قاصر ہے۔

یہ قدرت کا نظام ہے کہ جس طرح چیزیں جسم پر اثرات مرتب کرتی ہیں، اسی طرح اشیاء اور ماحول کے اثرات قلب و روح پر بھی رونما ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالمِ مادیات میں انسان کو پانچ حواس عطا کیے ہیں۔ ان حواسِ خمسہ سے وہ دیکھتا، چھوتا، سونگھتا، چکھتا اور سنتا ہے۔ انہی پانچ حواس کے ذریعے انسانی جسم پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جب من پسند کھانے کا ذائقہ چکھتے ہیں تو ایک لطف محسوس ہوتا ہے۔ کئی لوگوں کو موسیقی سے فرحت ملتی ہے۔ بعض لوگ نعت سنتے ہیں تو اس سے طبیعت میں راحت ملتی ہے۔ کچھ لوگ قوالی سنتے ہیں تو اس سماع سے ان پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ گویا ظاہری طور پر خود کوئی عمل نہیں کیا، محض ماحول سے خوشبو کا جھونکا آیا تو طبیعت تر و تازہ ہو گئی۔

اسی طرح ایک عالمِ قلب و روح بھی ہے۔ حواسِ خمسہ ظاہری کی طرح باطنی حواس یعنی روح کے احساسات بھی ہیں جن پر کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ جب کوئی خوش اِلحان قاری قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کرتا ہے تو اس سے نہ صرف جسم پر اثرات وارد ہوتے ہیں بلکہ روح بھی معطر، منور اور سرشار ہو جاتی ہے اور نورِ ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسی طرح وضو اور غسل بھی باطنی طہارت کا ذریعہ ہیں۔ ظاہراً ہم جسم کو دھوتے ہیں، مگر اس وضو اور طہارت کا نور اور اثرات قلب و باطن میں بھی سرایت کر جاتے ہیں۔

جس طرح ہم پھولوں کی خوش بو محسوس تو کرتے ہیں لیکن اسے بیان یا تحریر نہیں کر سکتے، اسی طرح کسی اللہ کے مقرب اور صالح بندے کو دیکھنے اور اس کی مجلس میں بیٹھنے سے اسی طرح کے خوش گوار اثرات روح پر بھی مرتب ہوتے ہیں جنہیں محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

کالی مرغی کر رہی ہے گوری مرغی سو سوال | سچ بتا کیا مرغی پن میں تجھ سے میں بالا نہیں

دیکھ کالی ہو کے بھی انڈا دیا میں نے سفید | تو نے گوری ہو کے جو انڈا دیا کالا نہیں

ماخوذ: مولانا اندھے کی لاٹھی

پیش کردہ: - نیاز احمد مالیگ یو کے

ہفت روزہ آوازِ نو، دہرہ دون

(چیف ایڈیٹر) سید اشرف حسین قادری

مالک، پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر سید اشرف حسین قادری نے انٹر گرافکس پرنٹنگ پریس 64 نیشولا روڑ دہرہ دون سے چھپوا کر 35/221 لکھی باغ دہرہ دون سے شائع کیا۔

{قانونی آگاھی} مضامین و خبروں کے متعلق کسی بھی قسم کی قانونی اور عدالتی چارہ جوئی دہرہ دون کی عدالت میں ہی قابل سماعت ہوگی۔ (ادارہ)

{نوٹ}

(مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں)

بقیہ صفحہ 2........................وقت کی اہمیت

ترقی یافتہ ممالک میں بازار اور مارکیٹیں سرِ شام بند ہو جاتی ہیں اور صبح معمول کے مطابق کھل جاتی ہیں۔ 7/11 یا 24/7 والی مخصوص دکانوں، جن کے پاس 24 گھنٹے کاروبار جاری رکھنے کا اجازت نامہ ہوتا ہے کے سوا تمام مارکیٹیں مقررہ وقت پر بند ہو جاتی ہیں۔ ہماری کئی حکومتوں نے چاہا کہ آٹھ یا 9 بجے شب تک بازار اور مارکیٹیں بند ہو جائیں، لیکن تاجر حضرات کسی طور پر اپنے معمولات بدلنے کو تیار نہیں ہیں۔ یہی صورتِ حال ہمارے خدمات فراہم کرنے والے اداروں ریلوے وغیرہ کی ہے۔ الغرض ہمارے پورے نظام کو پابندِ وقت بنانے کی شدید ضرورت ہے، لیکن ہمارے زمینی حقائق اور عمومی مزاج قومی مفاد سے ہم آہنگ نہیں ہیں، دنیا کی تمام ترقی یافتہ قوموں کے عروج کا راز وقت کی قدردانی اور بہترین استعمال کے سبب ہے۔ اہلِ دین اور علمائے کرام سے لوگ بجا طور پر یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ رول ماڈل بنیں، اس لیے آئے دن کالم نگار بھی علماء کو کوستے رہتے ہیں کہ انہیں عوام کے مسائل کا کوئی اِدراک نہیں ہے اور زمینی حقائق سے نابلد ہیں۔ وہ یہ بھی شکایت کرتے ہیں کہ علماء اپنے خطبات میں سماجی برائیوں اور استحصالی طبقات کے خلاف نہیں بولتے، کیونکہ ان کے خیال میں یہ ان کے زیرِ بارِ احسان اور نمک خوار ہیں۔ ان کا علماء سے ایک شکوہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں ''مائیک فوبیا'' ہے، یہ لاؤڈ سپیکر کی جان نہیں چھوڑتے، خاص طور جمعہ یا عیدین کی نماز بروقت کھڑی نہیں کی جاتی۔ یہ شکوے اور شکایتیں کافی حد تک بجا ہیں۔ کسی انتہائی ناگزیر صورتِ حال کے سوا ہر صورت میں جماعت مقررہ وقت پر کھڑی ہونی چاہیے۔ حدیثِ پاک کی رو سے جس فرض نماز کے بعد سنتیں ادا کرنا ہوتی ہیں، اس کی دعا مختصر ہونی چاہیے۔ اسی طرح بعض اوقات ہماری مذہبی تقریبات یا جلسے ہو رہے ہوتے ہیں، تو جلسے کی کارروائی کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے فرض نماز کی جماعت کو مقررہ وقت سے مؤخر کر دیا جاتا ہے، ہمیں معلوم ہے کہ مشروع وقت میں اس کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن عوام پر اس کا اثر منفی مرتب ہوتا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ جلسے میں اذان کے وقت وقفہ کر دیا جائے اور نمازِ باجماعت کے بعد جلسے کی کارروائی کا سلسلہ جہاں سے ٹوٹا ہو وہیں سے شروع کر دیا جائے۔ الغرض پابندیِ وقت کو ہمارے معمولات اور قومی مزاج کا لازمی حصہ ہونا چاہیے۔ دعوتِ دین کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس سے صَرفِ نظر نہیں کرنا چاہیے۔

بقیہ صفحہ 3.....اسلام اعتدال اور میانہ روی کا دین ہے

اعمال کا اچھا ہونا، احکامات کی پیروی کرنا بہت ضروری ہے۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تسبیح پھری تے دل نہیں پھریا، کی لینا تسبیح پھڑ کے ھو
علم پڑھیا تے ادب نہ سکھیا، کی لینا علم نوں پڑھ کے ھو
چلّے کٹّے تے کجھ نہ کھٹیا، کی لینا چلّیاں وڑ کے ھو
جاگ بِنا ددھ جمدے ناہیں باھُوؒ، بھانویں لال ہوون کڑھ کڑھ کے ھو

جب تک بنیادی اخلاقیات نہ ہوں تو انسان کی عبادات بھی بے معنی رہتی ہیں۔ ابلیس اللہ کا سب سے زیادہ عبادت گزار فرشتہ تھا۔ اسے شیطان اس لئے نہیں بنایا گیا کہ اس نے اللہ کی عبادت کرتے سے انکار کیا تھا بلکہ اس نے حکم ماننے سے انکار کیا تھا۔ اسی طرح یزید اللہ کو بھی مانتا تھا اور نمازی بھی تھا۔ لیکن احکامِ الٰہی کا منکر تھا بدکار تھا، شرابی تھا، منافق، فاسق اور ظالم تھا۔ اسلام ایک وسیع اور مکمل دین ہے۔ اسی میں ہماری بقا ہے۔ اسلام نام ہے، اچھے اخلاق کا، حسنِ سلوک کا، معاف کر دینے کا، محبت کرنے کا، درگزر کرنے کا، صلہ رحمی کا، حق کیلئے لڑنے کا، علم حاصل کرنے کا، سائنس کو جاننے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات کو کھوجنے کا اور انسانیت کا۔

کسی بھوکے کو کھانا کھلا کر، روتے ہوئے کو ہنسا کر، کسی ایسے کی مدد کر کے کہ جس سے صلے کی امید نہ ہو، والدین سے حسنِ سلوک کر کے ان سے دعائیں لے کر، اللہ کی رضا کیلئے معاف کر کے، اپنے اخلاق کو اعلیٰ بنا کر اور سیرت النبی ﷺ پر عمل کرنے کی کوشش میں واقعی اصل مسلمان بن سکتے ہیں۔ دعا ہے کہ ہم دوسروں کیلئے آسانیاں پیدا کرنے والے بنیں اور اللہ ہمارے لئے دونوں جہان کی آسانیاں پیدا فرمائے۔ آمین۔

ایک نظر ادھر بھی

''ہفت روزہ اخبار آوازِ نو'' کو آپ خود مطالعہ فرمائین نیز دوسرون کو بھی پڑھنے کی ترغیب دلائیں، پھر کچھ وقت کے بعد کسی اور ضرورت مند کو دے دیں۔ آپ کے مایسا کرنے سے ایمان و عمل اور عقیدے کی روشنی تو ہر سو پھیلے گی ہی ساتھ ہی جہالت و بدعقیدگی کی اندھیرا بھی دور ہوگا۔ (ادارہ)

ایک ضروری گذارش

قارئین حضرات سے گذارش ہے کہ وہ'' ہفت روزہ آوازنو'' کے اُن صفحات کے تقدس و احترام کو ملحوظ رکھیں جن میں مذہبی مضامین حمد یا نعت و منقبت شائع ہوتے ہیں۔ مقدس و متبرک مقامات یا ذوات کا ادب و احترام کرنا دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

Printed by Owner Publisher Printer Editor Sayed Ashraf Husain Qadri at Inter Grafics printing Press 64 Neshvilla Road D Dun
.E-mail:sayed.ashraf@ redifmail.com and Published by him from 35/221 Lakhi Bagh D Dun Mob 7055478786 / 9870876799